سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی کے نقوش سیرت اور عصری چلینج
(فلسطین اور کشمیر کے تناظر میں)

محمد فاروق رحمانی

عصری صورت حال کو سامنے رکھتے ہوے میں چاہتا ہوں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ و سلم کے رفیق غار و مزار ، سابقون الاولون ، جانشین رسول ص ع اور خلافت راشدہ کے بانی ، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنۃ کی سیرت اور کارناموں پر اجمالی روشنی ڈالوں ۔ یاد رہے کہ جمادی الاول میں صدیق اکبرپیدا ہوے تھے ۔ اس نسبت سے علماء کرام ہر سال ملک بھر کی مساجد میں آپ کی یاد میں تقریریں کرتے ہیں اور اخبارات خصوصی مضامین اور کالم زیب قرطاس کرتے ہیں۔ لیکن سیدنا ابو بکر صدیق رض کی سیرت اور کارناموں پر سرکاری سطح پر ملک گیر سیمینار عمل میں نہیں لائے جاتے ۔ حالانکہ پارلیمنٹ اوریونیورسٹیوں کی یہ ترجیح ہونی چاہئے کہ وہ ریاست یثرب کے پہلے خلیفہ سیدنا ابوبکر صدیق رض اور دیگر خلفاء راشدین کے نقوش زندگی پر سیمینار وں کا اہتمام کرتے رہیں۔ کیونکہ پیغمر اسلام صلی اللہ علیہ و سلم کی قائم کردہ ریا ست یثرب کے نقوش پر جو خلافت قائم ہوگئی تھی، وہی خلافت علی منہاج النبوۃ تھی ، جس کی بنیا د حضرت ابو بکر صدیق رض نے ڈالی تھی اور آپ رض اس کے پہلے سربراہ چنے گیے تھے۔ پاکستان کے لئے یہ اس لئے بھی لازم ہے کہ اس کی تحریک اسی تصور کی بنیاد پر لاکھوں جانوں کی قربانیوں کے بعد کامیاب ہوئی تھی اور اس کا آئین بھی اسلامی خطوط کی روشنی میں لکھا گیا تھا۔

پاکستان کے لئے یہ اس لئے بھی اہم ہے کہ یہاں جو سیاسی نراج، عدم استحکام، معاشی ناہمواری، تہذیبی بحران ، مذہبی عدم برداشت ، مبادیات پر جزئیات کی ترجیح اور ناجائز ذرائع سے

حصول زر کے امراض فروغ پا چکے ہیں، ان کا علاج کرنے کے لیے بھی یہی نسخہ کیمیا اہمیت رکھتا ہے۔ حکیم الا امت علامہ اقبال رح نے جو پیغام امیر امان اللہ خان فرمانروائے افغانستان کے نام لکھا تھا، وہ پاکستان کے حکمرانوں کے لئے بھی اتنی ہی اہمیت رکھتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ۔

تازہ کن آئین صدیق و عمر۔۔۔ چوں صبا بر لالہ و صحرا گزر !
سروری در دین ما خدمت گری است۔عدل فاروقی و فقر حیدری است
ہر کہ عشق مصطفٰے ا سامان اوست۔۔۔ بحر و بر در گوشہ دامان اوست
سوز صدیق و علی از حق طلب ۔۔۔۔۔ ذرہ عشق نبی ﷺ از حق طلب

مندرجہ بالا فارسی اشعار میں علامہ رح نے اللہ تعالی کے احکامات اور عشق نبی کریم ص ع کی بنیاد پر خلافت راشدہ کے نقوش پر آئین سازی ، قانون سازی اور انسانیت کی خدمت کرنے کی تلقین کی ہے۔ اس نظم میں انہوں نے قومی ترقی کے لئے علم اشیاء اور علم و دولت کے حصول کو بھاری اہمیت دی ہے۔ در اصل فاسد سیاسی اور اقتصادی نظاموں نے موجودہ دنیا اور سماج کو جہنم کدہ بنادیا ہے۔ اس لئے اقوام اور انسانیت کی فلاح اسی بات میں ہے کہ عدل و انصاف کے ان پیکروں کی تعلیمات اور کارناموں کو عام کیا جائے اور ان کے نقوش راہ کو تلاش کیا جایے۔ ان ہی مبارک تاریخی کرداروں کو دنیا ابوبکر و عمر ، عثمان و علی (رضوان اللہ تعالیٰ علیہا اجمعین) کے ناموں سے جانتی ہے۔

سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رض اور سیدنا حضرت عمر فاروق رض کے نظام مملکت کی اکثر غیر مسلم مورخین نے بھی تعریف کی ہے اور اسے انسانیت کی بقاء باہم اور ترقی و خوشحالی کے لئے کلی طور پر مفید اور شفا بخش قرار دیا ہے ۔ ہندوستان کے کئی غیر مسلم رہنماؤں ، شاعروں اور ادیبوں نے نہ صرف رسول اللہ ﷺ کی شان اقدس میں نعت گوئی کی ہے، بلکہ بعض ہندو رہنماؤں نےجن میں تحریک آزادی ہندکے چوٹی کے رہنما گاندھی جی اورپنڈت جواہر لعل نہرو شامل ہیں، خلافت راشدہ کو ماڈل قرار دیا ہے۔ گاندھی جی نے سوراجیہ میں کانگریس کو آزادی سے پہلے یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ آزادی کے بعد ہندوستان کو ابوبکر اور عمر (رض) کے قائم کردہ اصولوں کے مطابق چلائیں۔ ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم جواہر لعل نہرو نے اپنی ضخیم "کتاب تاریخ عالم کی جھلکیاں" میں عہد خلافت راشدہ کو تمام حکمرانوں کے لئے نمونہ قرار دیا ہے ۔ بلکہ انہوں نے اسپین میں مسلمانوں کے ۹سو سالہ نظام حکمرانی میں اسپین کے علوم و فنون اور میڈیکل سائنس میں ترقی و خوشحالی کو بام عروج پر سمجھ کر اس کی خوبیوں کا اعتراف کرلیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ اس وقت یورپ تعصب ، جہالت اور ناخواندگی کے اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا، جب اسپین مسلمانوں کی قیادت میں علم و ہنر کے چراغ روشن کر چکا تھا۔ انگریز مورخ ایلن بلیک ووڈ نے (A to Z Famous People) اے ٹو زیڈ فیمس پیپل میں لکھا ہے کہ "آپ(صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا دور خلافت صرف سوا دو برس رہا ۔ آُپ نے نہایت سادہ زندگی بسر کی اور مسلمانوں کے خزانے پر آپ رضی اللہ تعالی عنہ کی ذاتی زندگی کے مصارف کا کوئی بوجھ نہ تھا ...۔

بد قسمتی سے مسلمانوں نے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اپنے اوپر علمی و فکری جمود طاری کردیا اور بر صغیر میں تحریک پاکستان کے دوران بنگال، وسطی ، شمالی، جنوبی اور مشرقی ہندوستان اور پنجاب میں قیام پاکستان کا جو نصب العین پیش کیا گیا تھا۔۔ اسلام کا آفاقی نصب العین ۔ اس کی

اخلاقی اقدار اور اس کا اقتصادی نظام، جس کی بنیاد پر ملک کو قومی زندگی کے تمام شعبوں میں اسلام کی حرکت پذیری کی بدولت عوام کے لئے ترقی و خوشحالی کا ماڈل بنانا تھا، لیکن حکمران اور سیاست دان کھرے ثابت نہیں ہوئے ۔نتیجہ سامنے ہے کہ جو قومیں پاکستان کے بعد آزاد ہوگئیں، وہ پاکستان سے بہت آگے نکل گئیں۔ قیام پاکستان کے بعد بے شک کئی سال افراتفری اور پریشانی کے سال تھے، لیکن ۱۹۶۰،۱۹۵۰ کی دہائیوں سے ملک کو جس ڈگر پر چلایا جانے لگا، وہ کسی روشن زمانے کی آمد کی گارنٹی نہیں دے سکتا تھا۔ چنانچہ دنیا کی دیگر قومیں تو آگے بڑھتی رہیں لیکن اس ملک کی کشتی اب تک بھنور میں ہچکولے کھا رہی ہے۔ پاکستان کے داخلی اور خارجی سیاسی اور اقتصادی سوالات اور بین ا لاقوامی مسائل پیچیدہ اور لاینحل دکھائی دے رہے ہیں ۔۔ تعلیمی اور اقتصادی پیشقدمی عام لوگوں کی دہلیز پر نہیں پہنچی ہے اور وسائل پیداوار اور دولت پر مخصوص اجارہداری ہے۔

بہر حال آج پاکستان اور اسلامی دنیا کے عوام جن مسائل اور مصائب سے گزر رہے ہیں، ان میں حکمرانوں اور رہنماوں کا فرض ہے کہ وہ قرآن، سیرت مصطفے ا ص ع، سیرت خلفاء راشدین اور ان کے طرز حکمرانی اور جہابانی کا مطالعہ کریں اور اس کی روشنی میں اپنی داخلی اور خارجی پالیسیوں کی تشکیل نو کریں، فرسودہ نوآبادیاتی نظام سے جان چھڑائیں، اپنا سیاسی، معاشی اور عدالتی نظام شورائی اور جمہوری خطوط پر استوار کریں اور عوام کو بدعنوانیوں سے پاک سسٹم دیں، جس میں ریاست اور معاشرہ سماجی انصاف کی گارنٹیوں اور سکیورٹی کی جیتی جاگتی تصویر ہو۔

چونکہ ان سطور میں میرے سامنے سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی کے حوالے سے ان کی سیرت اور عہد خلافت ہے، اس لئے ان کا اجمالی تذکرہ کروں گا۔ آپ رض اس لحاظ سے خلافت راشدہ میں سب سے اونچے رہنما مینار پر کھڑے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کے رفیق غار اور خلیفہ راشد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی اعنہ کی سیرت پاک ہمارے سامنے ہے ۔بیعت کے بعد سب سے پہلی نظر صدیق اکبر کے پہلے خطبہ خلافت پر جاتی ہے۔ آپ رض بیعت کے بعد کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا۔ آپ نے اللہ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا :۔

" اے لوگو ! میں تمہارا حاکم بنا یا گیا ہوں۔ لیکن تم سے بہتر نہیں ، اگر میں نیک کام کروں تو اس میں میری مدد کرو اور اگر برا کام کروں تو مجھے ٹوکو۔ صدق امانت ہے اور کزب خیانت۔ تمہارا کمزور شخص میرے نزدیک قوی ہے جب تک میں اسے اس کا حق نہ دلا دوں اور تمہارا قوی آدمی میرے نزدیک کمزور ہے جب تک میں اس کے ذمے جو حق ہے وہ اس سے لے نہ لوں ۔ جو قوم اللہ کے راستے میں جہاد ترک کردیتی ہے اللہ اس پر ذلت و خواری مسلط کردیتا ہے اور اگر کسی قوم میں بے حیائی پھیل جاتی ہے تو اللہ اس پر بلائیں اور عذاب نازل کر دیتا ہے۔ تم میری اطاعت کرو جب تک میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و سلم کی اطاعت کروں۔ لیکن اگر مجھ سے کوئی ایسا کام سرزد ہو جس سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و سلم کی نافرمانی کا پہلو نکلتا ہو تو تم پر میری اطاعت واجب نہیں۔ اب نماز کے لئے کھڑے ہوجاو۔ اللہ تم پر رحم فرمایے۔۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کے انتقال کے بعد عرب کی نوآموز اور نو زائیدہ ریاست اور اسلام کو مٹانے کے لئےجو خونخوار کاذب نبی اور مرتد اپنی تیز و طرار زبانوں اور تلواروں کے ساتھ ازدہوں کی طرح پھنکارتے ہوئے حملہ آور ہوئے، کوئی دل گردہ والا ہی ہوسکتا تھا، جو ان حالات میں خلافت کا بار تحمل اور استقلال کے ساتھ اٹھا لیتا۔ لیکن سب کی نظریں حضرت ابوبکر صدیق رض پر تھیں ۔ اس لئے انہی کے کندھوں پر یہ بوجھ ڈالا گیا ۔ یہ اجتماعی فیصلہ اور انتخاب بروقت اور صحیح تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ کی جانشینی رسول اللہ ﷺ کے منشاء کے عین

مطابق تھی۔ آپ رضی ، اسلام سے پہلے بھی آنحضرت ص ع کے رفیق کار اور ہم سفر تھے اور اسلام کے بعد تو رفیق غار اور رفیق آزمائش رہے۔ ان کی زندگی کا مطالعہ کرنے سے ہی یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ صدیق اکبر رض ، سیرت و کردار کے کس ارفعی ا مقام پر کھڑے ہیں۔ یہ تاریخ امت کا ایک لا جواب اور بے مثال کردار ہے، جن پر پیغمبر آخر الزمان کو ناز تھا اور قرآن نے اس کی تصدیق کی تھی۔ خلیفہ چہارم حضرت علی ا لمرتضی ا نے حضرت ابوبکر صدیق رض کے انتقال پر جو کلمات اپنی زبان سے ادا کیے تھے وہ نہایت درد انگیز تھے۔ ان کے مفصل و موثر خراج عقیدت سے میں صرف چند ایک جملے نقل کروں گا۔۔۔۔ حضرت علی کرم اللہ تعالی وجہہ نے فرمایا: "جب لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے در پے آزار تھے ، تم ان کی حفاظت کا فریضہ انجام دے رہے تھے۔۔ تم کس قدر خوش قسمت ہو کہ اللہ نے قران مجید مین تمہیں "صدیق " کے لفظ سے نوازا اور فرمایا : و ا لذی جا ءبا لصدق و صدق بہ او لٰک ھم المتقون۔ (جو سچے دین کو لایا اور جس نے اس کی تصدیق کی یہی لوگ پارسا ہیں۔۔" (الزمر :۳۳) " جب لوگوں نے ارتداد اختیار کیا ، آپ رض نے خلافت کا حق ادا کیا ۔۔۔۔۔"

حضور ﷺ کے انتقال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رض کی خلافت پر فتنوں کے کئی پہاڑ ٹوٹ پڑے، عرب کے ہر قبیلے میں ارتد ا د اور بے اتفاقی کی لہر دوڑ گئی اور یہودیوں اور نصرانیوں کی سازشوں اور دشمنان اسلام میں اضافہ ہونے لگا۔ مکہ میں ارتداد کا خطرہ پیدا ہوگیا۔ لیکن حضرت سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کی ترغیب اور وارننگ سے اہل مکہ محفوظ رہے۔ " مدینہ ، مکہ اور طائف کے درمیان قبائل اسلام پر کاربند رہے ، اسی طرح مزینہ ، غفار ، جہینہ ، بلی ، اشجع ، اسلم اور خزاعہ کے قبائل بھی اسلام سے رو گردانی کے مرتکب نہ ہوئے " ۔(محمد حسین ہیکل۔ مصنف " ابو بکر صدیق"۔

ایک گروہ نے اسلام پر قائم رہنے کے باوجود زکوٰۃ کو جزیہ قرار دیا اور کہا کہ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے وصال کے بعد ہم مدینہ والوں کو زکوٰۃ ادا نہیں کریں گے۔ ان میں سے بھی اکثر کاذب مدعیان نبوت کے پیروکار بن کر گمراہ ہو گئے۔

جن بد بختوں نے رسول ﷺ کے وصال کے بعد جھوٹی نبوتوں کے دعوے کیے، ان کے نام یہ تھے:۔

طلیحہ از قبیلہ بنو اسد، سجاع بنت حارث از بنو تمیم، مسلیمہ بن حبیب یمامہ، ذو ا لتاج لقیط بن مالک از عمان ۔ اسود عنسی، جو ایک کاہن تھا نے جنوبی یمن میں نبوت کا دعویٰ کر کے زبردست شورش برپا کر کے یمن پر قبضہ کر لیا ۔ اس نے رسول پاک ﷺ کے وقت ہی دعویٰ نبوت کیا تھا، لیکن اسے قتل کر دیا گیا۔ تاہم اس کے واصل جہنم ہونے کی خبر رسول پاک ص ع کے بعد ہی مدینہ پہنچی اور حضرت ابوبکر صدیق کو اس کی اطلاع دی گئی۔ جھوٹے مدعیان نبوت میں مسلیمہ کذاب بہت بڑا عیار اور ظالم تھا، جس کے افراد قبیلہ نے مدینہ آکر پہلے تو قبول اسلام کا ناٹک رچایا، اس کے بعد خود مسلیمہ کزاب نے ایک مکتوب رسول اللہ ص ع کو بذریعہ قاصد بھیجا اور نبوت کا دعویٰ کر دیا لیکن کہا کہ مجھے نبوت میں شریک قرار دیا گیا ہے۔بہرحال امیر المومنین سیدنا ابو بکر صدیق رض کی خلافت کے سامنے قسم قسم کے فتنے عرب میں سر اٹھا چکے تھے: جھوٹے نبی، مرتدین اور انکے شیطانی لشکر، منکرین زکوٰۃ، مشرکین، یہودی، نصرانی اور مجوسی۔ صدیق اکبر رض کی فراست کا کمال یہ تھا کہ انہوں نے اپنی شوریٰ سے مشورہ کیا اور دشمنان اسلام کے خلاف اپنے مضبوط موقف پر ڈٹے رہے، اگرچہ نرم روی کی تجاویز بھی آئی تھیں۔ لیکن انہوں نے سمجھا کہ اگر جھوٹے مدعیان نبوت اور منکرین زکوٰۃ کو ڈھیل دی گئی تو آگے چل کر اسلام کے پھیلاؤ اور

امت کی بقا پر اس کے مہلک اثرات مرتب ہوں گے۔ چنانچہ مرتدین اور منکرین زکوٰۃ (جب تک وہ ہتھیار بند رہتے ہیں) کے خلاف جنگ کرنے کا فیصلہ ہوگیا اور جنگی مہمات روانہ کردی گئیں۔ اس طرح ایک ایک کرکے مرتدوں اور باغیوں کے لشکروں کا خاتمہ کردیا گیا۔ یہ بھی حضرت ابوبکر صدیق رض کا عزم و ایمان تھا اور انکی فراست تھی کہ انہوں نے لشکر اسامہ رض کی مہم کو بھی تکمیل تک پہنچایا، جسکا حکم خاتم الانبیا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا۔ یہ لشکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس سالہ اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کمان میں روم کی فوجی مہم پر روانہ کیا تھا، لیکن نبی کریم ص ع کی وفات کی خبر سن کر لشکر مقام جرف میں رکا ہوا تھا۔ خلافت کے لئے بیعت لینے کے بعد، حضرت ابو بکر صدیق رض نے اسی لشکر کو حضور ﷺ کی ہدایات کے مطابق اور حضرت اسامہ رض کی کمانداری کو برقرار رکھتے ہوئے روم کی جنگی مہم پر روانہ کردیا اور صحابہ پر واضح کردیا کہ وہ صرف اسامہ کی سرکردگی میں اس لشکر کو روانہ کررہے ہیں۔ روانگی کے وقت امیر المومنین رض نے لشکر اسامہ سے خطاب فرمایا اور انہیں دس اہم نصیحتیں کر دیں، اس وقت بلند و بالا اخلاقیات نبوی کے یہ موتی ان کے ہونٹوں پر تھے: خیانت نہ کرنا، بدعہدی سے پرہیز، مقتولوں کے اعضا نہ کاٹنا، بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا، کھجوروں اور دیگر پھلدار درختوں کو نہیں کاٹنا، نہ جلانا، کسی بھیڑ، گائے یا اونٹ کو بلا ضرورت ذبح نہ کرنا، گرجا گھروں میں راہبوں اور عبادت گزاروں سے نہ چھیڑنا، وغیرہ، وغیرہ۔ اس کے علاوہ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ کرنے کا حکم دیا تھا وہ سب کچھ کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کی بجا آوری میں کوئی کوتاہی نہ کرنا۔ لشکر اسامہ بیس دنوں کی مسافت طے کرتے ہوئے بلقا پہنچ گیا، جہاں جنگ موتہ وقوع پذیر ہوئی۔ رومی قبائل کے مقابلے میں آخر کار لشکر اسامہ

فتحیاب ہوا اور واپس لوٹ آیا۔ جنگ موتہ میں ظفر یابی کی دھاک باغی عربوں اور رومیوں پر پڑی اور اب رومیوں نے سرزمین عرب کو اپنے سموں سے روندنے کا خیال ذہنوں سے نکال دیا۔

خلافت صدیقی میں از روئے حکم خلیفہ رسول اللہ ﷺ، لشکروں کے سپہ سالار، دربار خلافت سے برابر رابطے میں رہتے تھے، اور فتحیاب مہم کے بعد از خود کوئی دوسری جنگی مہم یا کسی دوسرے خطے کی طرف پیش قدمی نہیں کرتے تھے۔

مصر کے شہرہ آفاق رائٹر، سوانح نگار اور صحافی، محمد حسین ہیکل نے اپنی تصنیف "ابوبکر صدیق" رضی اللہ تعالیٰ عنہ، میں آپ رض کی ایثار پسندی، سادگی اوربیدار مغزی کا ذکریوں کیا ہے، "مقام سخ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قیام جس مکان میں تھا وہ نہایت معمولی اور دیہی طرز کا تھا۔ اگر وہ چاہتے تو خلافت کے بعد وہ اس کی حالت درست کرسکتے تھے لیکن خلافت کے پورے عہد میں مکان جوں کا توں رہا اور اس میں کسی طرح کی کوئی تبدیلی نہ آئی۔ اسی طرح مدینے کا مکان بھی بدستور پہلی حالت پر قائم رہا۔ خلافت کے بعد وہ پیدل چھ مہینے تک روزانہ مدینہ سے سخ آتے تھے اور شاذ ہی کبھی گھوڑا استعمال کرتے تھے۔ خلافت سے پہلے وہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔۔" بار خلافت میں وہ تجارت کرنے کے لئے وقت نہیں دے سکے، چنانچہ آپکے لئے اور ان کے اہل و عیال کے لئے اتنا وظیفہ مقرر کردیا گیا جس سے ان کا گزارہ ہوسکے۔ لیکن وفات سے پہلے ہی انہوں نے رشتہ داروں کو ہدایت کردی کہ میری فلاں زمین فروخت کرکے میرے وظیفے کی پوری رقم بیت المال میں واپس جمع کردی جائے۔ بعد میں ایسا ہی کیا گیا۔ جب ان کی رقم نئے خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچی، تو وہ رو پڑے اور کہا:

"اے ابوبکر صدیق رض ! تم نے اپنے جانشین پر بہت بھاری بوجھ ڈال دیا ہے۔"

حضرت ابوبکر صدیق رض کی نگاہ بحیثیت خلیفہ رسول ﷺ ماضی، حال اور مستقبل پر تھی۔ ان کا ماضی رسالت مآب ﷺ کی رفاقت اور رہنمائی کا نام تھا اور اس سے عبارت تھا، اسی آئینے میں وہ مسلمانوں کے حال کو دیکھا کرتے تھے اور مستقبل سازی کرتے تھے۔ اس لئے سب سے پہلے آپ نے اپنی تمام تر توجہ فتنہ ارتداد مٹانے، جھوٹی نبوتوں کو ختم کرنے اور زکوٰۃ سے انکار کرنے والوں کو راہ راست پر لانے پر مبذول فرمائی، جس میں وہ کامیاب ہوئے اور ان کے جانشین کے لئے یہ رکاوٹیں نہیں رہیں۔ ان فتنوں سے نجات حاصل کرنے کے بعد "آپ نے سلطنت کے اندرونی استحکام اور قیام امن پر توجہ دی ، جس میں ان کا منشا یہ تھا کہ عرب ایک وحدت میں منسلک ہوکر اقوام عالم میں اپنا نمایاں مقام حاصل کرلیتے اور ان کی قوت و طاقت میں شاندار اضافہ ہوجاتا"۔(محمد حسین ہیکل)۔۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کی اطاعت میں اپنے مختصر عہد خلافت میں جن جنگی مہمات میں شرکت کی ، وہ سب دفاعی تھیں، ہرگز جارحانہ نہیں۔ ان ہی کے نقوش پر بعد کے تینوں خلفاء راشدین اور دور اموی کے خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بہت سارے نیک سیرت سلاطین بھی گامزن رہے۔ اگرچہ آنے والا دور اندرونی تنازعوں اور لڑائیوں سے عبارت رہا ہے لیکن عربوں کی طاقت اور سیرت صدیوں تک چہار دانگ عالم میں مسلمہ رہی اور ان کے نظام حکمرانی و جہانبانی نے ایشیا اور افریقہ پر گہرے نقوش ثبت کردئے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد حکومت اسلامی پر ملوکیت کا رنگ روغن چڑھا دیا گیا، لیکن قوانین اور تمدن اسلامی عربی رنگ میں رنگا رہا ۔خلافت راشدہ نے اسلام اور انسانیت کی خدمات کے جو معیارات قائم کردیے تھے، ان کی

جڑیں دعوت و تبلیغ اور اشاعت اسلام سے دور دور تک پھیل گئیں اور ایک خوبصورت علمی انقلاب رونما ہوا۔ عرب سے باہر، ایران، وسط ایشیا، ایشیایے کوچک، افغانستان، ہندوستان، کشمیر، افریقہ اوریورپ میں مبلغین اور مجاہدین نے حق کی اذانیں دیں اور انسانوں کے ایک سمندر کو رحمت رسول ﷺ کی آغوش میں بٹھایا اور عادلانہ نظام حکومت قائم کیا اور وہ سلسلہ دعوت و ارشاد قائم کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ اقبال رح فرماتے ہیں۔

دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساوں میں۔۔ کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراوں میں
شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہانداروں کی۔ کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی

یہ خلفاء راشدین کی سیرت و کردار، تعلیمات اور خلافت علیٰ منہاجہ النبوۃ کے ہی اثرات تھے کہ جب بعد کے ادوار میں مسلمان حکمران بگاڑ کا شکار ہوگئے اور حکمرانوں نے ملوکیت کا جامہ اوڑھ لیا، تفرقہ پیدا ہوگیا، بنیادی اصولوں اور اساسی اقدار کے بدلے جزئیات، فروعات اور تعیشات کو فروغ ہوا، اس وقت ایسے علماء حق او فقہاء عرب و عجم چار سو جگ مگ کرنے لگے، جنھوں نے علم کے پھیلاو اور قانون اسلامی کی تدوین کے کارناموں کی وجہ سے عوام میں شاہان وقت کے مقابلے میں بہت اونچا مرتبہ حاصل کیا۔ خلافت راشدہ میں عوام کے حصول علم کی پیاس خود بھی خلفاء راشدین بجھاتے تھے، اور ان کے فقہی مسائل کا حل تک بتاتے تھے، اب یہ ذمہ داری عالموں اور فقیہوں نے اٹھائی اور انہوں نے اس خلا کو پر کردیا، جو بعض حکمرانوں کے بگاڑ اور انحراف کی وجہ سے امت میں پیدا ہورہا تھا۔ یعنی خلافت راشدہ میں خلفاء راشدین نہ صرف نظام حکومت و عدل چلاتے تھے، بلکہ منبع رشد وہدایت بھی تھے، لیکن اب انکے بعد خیر امت ،

انفرادی و اجتماعی اصلاح اور اخلاق و اعمال صالح کے لئے عوام کی نگاہیں علماء حق پر مرکوز رہیں۔ چنانچہ امت میں ایسے مصلحین اور فقہاپیدا ہوگئے، جنہوں نے حکمرانوں سے الگ رہ کر، علمی بنیادوں پر خیر امت کا بار اٹھایا اور بڑی خوش اسلوبی سے نبھایا۔ ان عظیم المرتبت فقیہوں، محدثوں اور عالموں میں، جن کی اجتہادی خدمات پر مسلمان آج بھی اعتبار کرتے ہیں، یہ اسمائے گرامی شامل ہیں: امام ابو حنیفہ نعمان رح، امام مالک رح، امام شافعی رح اور امام احمد بن حنبل رح ۔ شیعہ اثنا عشری کے برگزیدہ ائمہ کرام میں امام جعفر صادق رح اس مقام پر فائز رہے۔آپ نے بنو امیہ کا آخری وقت اور عباسیوں کا ابتدائی عہد دیکھا تھا۔ یہ دونوں زمانے مسلم دنیا میں سخت انتشار کے زمانے تھے، اگرچہ کئی میدانوں میں مسلمان کافی ترقی بھی کر چکے۔امام اعظم ابو حنیفہ رح نے اپنی تمام تر توجہ علم و فقہ کی طرف مبزول کی اور بتایا جاتا ہے کہ ان کی درس گاہ میں شاگردوں کی تعداد ۴ ہزار تھی۔ ائمہ اربعہ کا مقام بہت ہی بلند ہے۔ فقہی مسائل میں شیعہ ، امام جعفر صادق رحمت اللہ تعالیٰ کی تقلید کے قائل ہیں۔ بہر حال یہ ان ائمہ کرام کی غیر معمولی علمی اور فقہی دانش اور بصیرت اور نفسیات شناسی تھی، کہ اسلامی قانون مدون اور مرتب ہوگیا اور مسلمان آج تک ساری دنیا میں ان کے سرچشمہ علم وقانون سے استفادہ کرتے ہیں۔ علم حدیث میں امام بخاری رح، امام مسلم رح اور دیگر محدثین عظام نے احادیث کے جمع و تدوین کے علاوہ جانچنے اور پرکھنے کے فنی اصول مرتب کرتے ہوئے اس میدان میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ آج پھر علمی اور فقہی اجتہاد کی ضرورت ہے، لیکن علمائے عصر کو سلف کا کردار نبھانا ہوگا، قرآن اور اسوہ حسنہ اور قرون اولیٰ کے علماء حق کا استغنیٰ پیدا کرنا ہوگا کہ مسلمان ان کے فیصلوں پر اعتبار کرنے کے لئے تیار ہوجائیں۔ کسی مذہبی شخصیت یا کئی شخصیات یا کسی بھی مذہبی ادارے یا درسگاہ کی طرف سے علمی اور فقہی اجتہاد کے لئے پہلا قرینہ اس کی سیرت وکردار پر اعتبار اور

اعتماد شرط ہے۔ موجودہ زمانے میں بعض لوگوں نے ائمہ اربعہ کے بارے مسلمانوں میں مقلد اور غیر مقلد کی بحث کھڑی کر رکھی ہے، جو لایعنی ہے کیونکہ متقدمین کا سارا سرمایہ ان کی علمی و فقہی بصیرت پر مبنی تھا، جو انہوں نے قرن اول اور خلفاء راشدین کی تشریحات سے اخذ کیا تھا۔ وہ کوئی فرقہ یا مسلک قائم کرنے کے لئے نہیں چل پڑے تھے۔ بلکہ موجودہ زمانے کی فرقہ وارانہ سوچ سے پاک اور بالاتر تھے اور وقت کے تقاضوں اور نئے نئے مسائل کا حل تلاش کرنے میں سرگرداں رہتے تھے۔ انہوں نے ایک بے مثال اور عظیم الشان علمی اور قانونی عمارت کھڑی کردی تھی اور اسلامی قانون کی تدوین و ترتیب کر کے دکھائی۔ ان کا یہ عظیم الشان کارنامہ مسلم سماج کے لئے ایک فصیل کا کام دیتا رہا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے اپنے دور خلافت میں اس کار عظیم کا آغاز فرمایا تھا یہاں تک کہ دنیائے اسلام کے مختلف خطوں اور زمانوں میں مسلمان حکمرانوں نے بھی فقہائے کرام کے اجتہاد کو تسلیم کیا۔ یہی مسائل کا حل تلاش کرنے والی امت کو چاہیے تھا، کیونکہ جزیرۃ العرب سے باہر آنے کے بعد اسلام کو نو وارد مسلم اقوام کے مختلف سماجی طور طریقوں کا سامنا تھا۔ اس زمانے کے علما اور فقہاء حق نے اس چلینج کو قبول کیا اور حکمرانوں کے دنیوی مفادات سے بے نیاز اور بے خوف رہ کر قرآن سنت کی روشنی میں اجتہاد کیا، جس کو امت نے بغیر کسی سرکاری آرڈیننس اور گزٹ نوٹیفکیشن قبول کیا۔ جو آج تک چل رہا ہے۔ آج کے علما بھی اگر قرون اولیٰ کے ائمہ کرام اور فقہاء عظام کا کردار، وسعت نگاہ پیدا کریں اور مسلم ممالک کے حکمرانوں اور قانون ساز اداروں میں بھی وہی بصیرت، شان اور عظمت پیدا ہو جائے اور دین کو دنیا کے عوض بیچنے کا دھندا ختم ہو جائے، تو ہمارا موجودہ سماج بھی آب مصفا میں بدل سکتا ہے اور عصری چلینجوں کا جواب دیا جاسکتا ہے اور آسانی کے ساتھ مسائل حل کئے جاسکتے ہیں۔ تب جاکر ان کی آراء کو قبولیت کا شرف حاصل ہوگا۔ تاہم اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ

بغداد میں بعض استثنا ء کے ساتھ خلافت عباسیہ، ہسپانیہ میں خلافت بنو امیہ، اور ایشیائے کوچک اور خراسان میں سلجوقی اور عثمانی سلطنتوں کی طویل صدیاں علم،تہذیب وتمدن میں ترقی کے لحاظ سے مسلمانوں کے سنہری ادوار سمجھے جاتے ہیں، جس کا اعتراف غیر مسلم مورخین اور بعض مستشرقین نے بھی کیا ہے۔ انہوں نے اعتراف کیا ہے کہ جس زمانے میں یورپ کے حکمران اور عوام و خواص تعصب اور جہالت کے گھپ اندھیرے میں ڈوبے ہوئے تھے، اسپین اور بغداد کے علما اور حکمران سائنس، طب، فلسفہ، فلکیات، عمرانیات، قانون ، اور حرب و ضرب کی تیکنولوجی کی تحقیق میں سرگرم عمل تھے۔ ہسپانیہ میں عربوں نے مختلف سائنسز اور تراجم میں کافی پیش رفت کی تھی۔ ترکوں کی خلافت عثمانیہ نے تو ۱۱ ویں صدی سے لے کر ۲۰ ویں صدی کے اوائل تک ایشیا، یورپ اور افریقہ پر جہانبانی کے نقوش ثبت کئے۔کاش ان مختلف خاندانوں کے حکمران اور امرا خلفائے راشدین کی سیرت وکردار کی روشنی میں کاروبار سلطنت چلاتے تو آج دنیا کا نقشہ کچھ اور ہی ہوتا۔ لیکن بعض حکمران عیاش، جاہل اور ظالم تھے، علم و ہنر اور اجتہاد کے دروازے بند کردیے گئے،جس کی وجہ سے وہ سولویں اور سترویں صدی میں یورپ کی نشاۃ ثانیہ کا مقابلہ نہیں کرسکے اور ایک ایک کرکے بغداد، اندلس، خراسان، دہلی ان کے ہاتوں سے نکلتے گئے اور جو کل تک جہانبانی کرتے تھے، وہی مفلس ، قلاش اور بھکاری بن گئے اور گردش دوران کی چکی نے ان کو پیس کر بے نام ونشان کردیا۔علامہ اقبال رح نے اپنی نظم "خطاب بہ نوجوانان اسلام " میں اسی بات کا رونا رویا ہے۔ فرماتے ہیں: ۔

تمدن آفرین، خلاق آئین جہانداری
وہ صحرائے عرب یعنی شتربانوں کا گہوارا
غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرا نشیں کیا تھے

جہاں گیر و جہاں دار و جہاں بان و جہاں آرا
اگر چاہوں تو نقشہ کھینچ کر الفاظ میں رکھ دوں
مگر تیرے تصور سے فزوں تر ہے وہ نظارا
گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمین پر آسماں نے ہم کو دے مارا
مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا

سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رض کی خلافت اور دیگر خلفائے راشدین کے خوبصورت نقوش کو نگاہ میں رکھتے ہوئے میں نے یہ تفصیل لکھی ہے کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ خلافت صدیقی کی فوجی مہمات اور طرز حکمرانی اور آپ رض کے پیش رؤں کے مذہبی اور سیاسی کارناموں نے عالم اسلام کے مستقبل پر گہرے اثرات مرتب کیے، جن میں اہم ترین بات یہ تھی کہ بعد از آں بدلتی ہوئی دنیا میں یا کسی بھی رنگ کے انتشار اور بگاڑ میں لوگوں نے رہنمائی کے لئے اپنے بادشاہوں کی طرف نہیں بلکہ علمائے حق پر نظریں مرکوز رکھیں، کیونکہ وہ صرف خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کو قلب و نظر سے قبول کرتے تھے اور انہوں نے کسی ایسے حکمران کا کوئی قانون یا اسلام کے متعلق کوئی خود ساختہ تاویل تسلیم نہیں کی، جو عوام کی گردنیں جھکوانے اور توڑنے میں یقین رکھتا تھا۔

حضرت ابو بکر صدیق اکبر رض کا سب سے اہم کارنامہ کیا تھا۔ جو آپ نے مرتدوں کے خلاف کامیاب مہمات کے بعد دنیا سے کوچ کرنے سے پہلے انجام دیا۔ اس زمانے میں پادشاہت

اور حکمرانی کا تصور جابرانہ اور ظالمانہ تھا ۔بادشاہت کے لئے اپنوں یا غیروں کا خون بہانا جائز خیال کیا جاتا تھا ۔ حکومت عوام کے دلوں پر نہیں بلکہ ان کی گردنوں کو جھکا کر کی جاتی تھی۔ نبی کریم ﷺ کی تعلیمات نے حکمرانی اور جہانبانی کے تصورات بدل ڈالے تھےاور خلیفہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر صدیق رض ع اور ان کے جانشینوں نے اپنے کردار سے انہی زرین اصولوں کی آبیاری کی تھی۔ تاریخ یہ گواہی دیتی ہے کہ کہ جمع قرآن پاک سیدنا ابوبکر صدیق کا ایک عظیم اور بے مثال کارنامہ ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ جھوٹے نبی مسلیمہ بن حبیب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارک میں ہی نبوت کا دعویٰ کیا اور تقسیم نبوت اور تقسیم عرب کے اپنے دعویٰ کے متعلق حضور ﷺ کے نام ایک خط ارسال کیا ۔ اس کے مطالبے میں شدت آگئی اور اس کاذب و مرتد نے اسلامی خلافت کے خلاف ایک زبردست فوج تشکیل دی ، جس کو کچلنے کے لئے حضرت خالد بن ولید رضی ا للہ تعالیٰ عنہ کی کمان میں یمامہ میں مسلمانوں کے ساتھ مسلیمہ کزاب کی ایک خونریز جنگ ہوئی، جس میں مسلیمہ کے ہزاروں حمایتی مارے گئے اور وہ خود بھی حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ تعالی عنہ کے ہاتھوں واصل جہنم ہوگیا۔ جنگ یمامہ میں بارہ سو مسلمان بھی شہید ہوگئے، جن میں صحابہ کبار اور حفاظ قرآن پاک کی ایک واضح اکثریت تھی۔اس صورت حال کےپیش نظر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رض سے مسجد نبوی میں کہا کہ جنگ یمامہ میں حفاظ قرآن پاک کی کثیر تعداد کی شہادتوں کے بعد بھی دیگر جنگوں میں شہادتوں کا خدشہ ہے، اس طرح قرآن پاک کا ایک بڑا حصہ ضائع ہوجائے گا۔ میرا مشورہ ہے کہ آپ جمع قرآن کا حکم دیں تاکہ قرآن محفوظ ہوجائے۔ اس کے بعد حضرت خلیفہ راشد رض نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ حکم دیا کہ وہ قرآن پاک کو جمع کریں۔ حضرت زید بن ثابت رض کے اپنے قول کے مطابق، پہلے تو انہیں جمع قرآن کا عظیم کام

پہاڑ سے بھی بھاری محسوس ہوا ، کیونکہ انہیں اللہ کا ڈر تھا اور رسول اللہ ﷺ کے حفاظ رفقا کرام ، حضرات ابوبکر صدیق رض، حضرت عمر فاروق رض، حضرت عثمان غنی رض اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ا کے احتساب کا خوف تھا، "لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رض کی طرح میرا سینہ بھی کھول دیا اور میں نے یہ فریضہ ادا کرنے کا عہد کرلیا اور قرآن پاک کی تلاش و جمع کا کام شروع کردیا۔ کچھ آیات چمڑے پر، کچھ کچھ لکڑی پر اور کچھ پتھر کے ٹکڑوں پر تحریر تھیں اور کچھ لوگوں کے سینوں پر محفوظ تھیں۔ میں نے تمام سورتیں اور آیات جمع کرنا شروع کردیں۔تو سورہ توبہ کی دو آخری آیتیں مجھے خزیمہ انصاری سے ملیں جو اور کسی کے پاس نہیں تھیں"۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کے اوراق لکھنے کے بعد علم ہوا کہ سورہ احزاب کی آیت نمبر ۲۳ بھی کم ہے اور یہ آیت بھی خزیمہ انصاری رض سے ملی۔ یہ آیت بھی میں نے قرآن پاک میں شامل کرلی"۔ حضرت خزیمہ انصاری رض وہ صحابی ہیں جن کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم کا ارشاد ہے کہ ان کی گواہی دو آدمیوں کی شہادت کے برابر ہے ۔۔ حضرت زید بن ثابت رض فرماتے ہیں کہ جب قرآن پاک جمع ہوگیا تو اسے حضرت ابوبکر صدیق رض نے اپنے پاس محفوظ کرلیا۔ ان کے انتقال کے بعد یہ نسخہ حضرت عمر رض کی تحویل میں چلا گیا اور حضرت عمر کے انتقال کے بعد یہ جمع شدہ قرآن ان کی دختر نیک اختر ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ کے پاس آگیا۔۔"(بحوالہ سوانح حضرت ابوبکر صدیق رض از محمد حسین ہیکل ، مترجم انجم سلطان شہباز)۔

متعدد روایات کی تفصیلات بتاتی ہیں کہ قرآن پاک کو بالکل اسی ترتیب سے جمع کیا گیا، جس طریقے سے یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و صلم کے حکم سے آپ ص ع کی حیات مبارک میں تھا اور جس طرح آج ہمارے سامنے ہے اور مختلف صحابہ کرام کے پاس جو مصاحف تھے وہ بھی اسی

ترتیب سے تھے۔ بہت سارے بزرگ صحابہ کرام کو قرآن زبانی یاد تھا۔" مختلف روایات میں بتایا گیا ہے کہ جس سال نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم کا وصال ہوا ، اس سال آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے جبرئیل علیہ السلام کے سامنےدو مرتبہ دور کیا تھا۔ حضرت زید بن ثابت رض دوسرے دور میں شامل تھے۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وصلم کا آخری دور تھا۔روایات اس بات کی تصدیق کرتی ہیں کہ " حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ، حضرت علی رضوان اللہ تعالیٰ علیہا اجمعین اور دیگر بزرگ صحابہ نے قرآن پاک براہ راست آنحضرت ص ع سے سنا تھا اور انہیں بھی زبانی یاد تھا" جو کام حضرت ابوبکر صدیق رض کی خلافت نے کیا، اس پر حضرت علی کرمہ اللہ وجہ بھی صدیق اکبر رض کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں اور انہیں قرآن جمع کرنے پر اجر وثواب کا سب سے زیادہ مستحق قرار دیتے ہیں،، ۔ اگرچہ یہ حقیقت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد بزرگ صحابہ خاص کر سیدنا ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضوان اللہ تعالی علیہا اجمعین قرآن کی حفاطت کے متعلق فکرمند تھے اور ہر ایک اپنی اپنی صوابدید کے لحاظ سے کتاب اللہ کو جمع کررہا تھا۔ حضرت ابوبکر رض نے حضرت عمر رض کے مشورے سے کیا، اور حضرت صدیق رض نے جو کچھ کیا کرایا، وہ دراصل خلافتی سطح پر ہوا۔

بعد میں بحیثیت خلیفہ سوم حضرت عثمان ذوالنورین رض نے اس سلسلے میں ایک گرانقدر کردار انجام دیا۔یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو جامع القرآن کیوں کہا جاتا ہے؟ یہ بات بڑی اہم ہے کہ سیدنا حضرت عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی حکومتوں میں فتوحات اسلامی کا دائرہ عرب سے کافی باہر پھیل گیا تھا اسلام افریقہ اور جنوبی ایشیا اور وسط ایشیا تک پہنچ چکا تھا، جس کی وجہ سے لوگوں میں قرا ت اور لہجے کا شدید اختلاف پیدا ہوگیا تھا، لوگ ایک دوسرے کی قرات اور لہجے کو کم تر سمجھنے لگے تھے یہاں تک کہ

آپس میں لہجوں کے اختلافات پر ایک دوسرے پر تکفیر کے فتوے لگانے تک نوبت آن پہنچی تھی۔ حضرت حزیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ اس زمانے میں آرمینیا اور آزربائجان میں مصروف جہاد تھے۔ انہوں نے اس خطرناک صورت حال کا خود مشاہدہ کیا اور اپنی مہم چھوڑ کر دار الخلافہ مدینہ کا رخ کیا اور جاکر خلیفہ وقت حضرت عثمان رض کو اس تشویشناک صورت حال سے آگاہ کیا اور کہا کہ "فوج میں عراق، شام اور حجاز کے لوگ شامل ہیں، ان کےدرمیان قرآن کی آیات اور لہجے کا اس قدر شدید اختلاف پیدا ہوگیا ہے کہ وہ ایک دوسرے کی تکفیر پر اتر آئے ہیں۔۔" حضرت عثمان رض کو بھی اس رپوٹ پر بے حد تشویش ہوئی، چنانچہ آپ رض نے فوری طور پر ایک لائحہ عمل بنایا اور برگزیدہ صحابہ کے مشورے سے اقدام کیا۔یہ حقیقت ہے کہ "عرب کے مختلف قبائل، لہجے اور بعض لغات کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف تھے۔۔۔لغات اور لہجوں کے اختلاف کی وجہ سےان کے لئے قریشی لہجے میں قران کی تلاوت کرنا دشوار تھا۔اس لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے مختلف احرف(لہجوں) میں قران مجید پڑھنے کی اجازت دی گئی تھی اور حضور صلی اللہ و سلم نے فرمایا:۔

ترجمہ: بے شک یہ قرآن سات احرف(لہجوں) میں نازل ہوا ہے۔ پس ان میں سے اس لہجہ میں پڑھو جو تمہارے لئے آسان ہو"۔ اس طریقے پرنزول قرآن حضور کی مدنی زندگی کے اواخر تک عمل ہوتا رہا ۔ اسلامی خلافت کی حدود وسیع تر ہونے کے بعد بعض اوقات الجھنیں اور غلط فہمیاں پیدا ہوگئیں۔ ان حالات میں حضرت عثمان رض نے کبار صحابہ کو جمع کرکے اس خطرے سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا " اے محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ و سلم کے ساتھیو ! تم جمع ہوکر لوگوں کے لئے ایک رہنما اور امام مصحف لکھو"۔ حضرت عثمان رض نے حضرت زید بن ثابت کو حکم دیاکہ کہ وہ دوبارہ صحابہ کرام رضو ان للہ تعالیٰ عنہا کے متفرق نوشتوں سے قران

کریم کو جمع کریں اور جس جگہ لہجے کا اختلاف ہو وہاں لغت قریش کو معیار مانا جائے۔ کیونکہ قران لغت قریش پر ہی نازل ہوا۔ اس طریق پر جب مصحف کی کتاب ۲۴ ھ کے اواخر اور ۲۵ ھ کے اوائل میں مکمل ہوگئی تو حضرت عثمان رض نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے حضرت ابوبکر صدیق رض کے عہد کا جمع کردہ مصحف منگوایا اور اس سے لفظ بہ لفظ تقابل اور اطمینان حاصل کرنے کے بعد اس کی پشت پر یہ عبارت لکھ دی گئی۔۔"ترجمہ۔یہ وہ نسخہ قرآن ہے جس پر حضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے صحابہ نے اجماع و اتفاق کیا ہے۔اس مصحف کو "مصحف امام "کا نام دیا گیا اور اس کی سات نقلیں کرا کر مکہ مکرمہ، شام،یمن،بحرین، بصرہ،کوفہ اور مدینہ منورہ جیسے مرکزی مقامات پر رکھوادی گئیں۔اس طرح حضرت عثمان غنی رض اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محنت شاقہ کے باعث قرآن مجید ایک ہی لہجے اور لغت (قریشی مکی)میں ساری دنیا میں رائج ہوا۔تمام دیگر مصاحف جو مختلف لوگوں کے پاس تھے، حضرت عثمان رض کے حکم سے جلا دیے گئے اور مصاحف عثمانی کی صورت میں اتحاد امت اور وحدت قرآن کی حکمت ہر ایک کی سمجھ میں آگئی۔ابن ابی داؤد نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہ سے صحیح سند سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

" حضرت عثمان رض کے متعلق سوائے بھلائی کی بات کے، کچھ نہ کہو۔ اللہ کی قسم ! انہوں نے جو کچھ کیا، ہمارے مشورے سے کیا۔ انہوں نے ہم سے پوچھا تھا۔ ان قرائات کے متعلق تم کیا کہتے ہو؟ کیونکہ مجھے اطلاعات مل رہی ہیں کہ کچھ لوگ ایک دوسرے سے کہ رہے ہیں کہ میری قرات تمہاری قرات سے زیادہ بہتر ہے، حالانکہ یہ بات کفر تک پہنچا سکتی ہے۔ ہم نے کہا آپ کا کیا خیال ہے۔ فرمایا ۔ میری رائے یہ ہے کہ ہم سب لوگوں کو ایک قرات پر جمع کردیں تاکہ پھر کوئی افتراق اور اختلاف نہ ہو۔ ہم نے کہا ۔آپ کی رائے بہت شاندار ہے"۔ (فتح

الباری ،۹،۱۸)۔ اس کے بعد قدیم اور جدید علما اور محققین و محدثین کا یہ متفقہ نظریہ ہے کہ ان مصاحف کو تمام عالم اسلام نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور اعلیٰ اور مقدس مقام دیا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان مصاحف کی تدوین کسی فرد واحد کی کاروائی نہیں ہے، بلکہ ان۔ کی پشت پر قرآن کے اولین حفاظ،، کاتبین وحی، تمام اصحاب رسول ص ع کا اجماع ہے، جنہیں دربار رسالت سے مدح و توصیف کا پروانہ عطا ہوا ہے۔

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تریسٹھ سال کی عمر میں ۲۲ جمادی الاخریٰ بروز سوموار ۱۳ ھ کو غروب آفتاب کےبعد انتقال فرمایا اور اسی شب کو انہیں دفن کردیا گیا۔وصیت کے مطابق ان کی زوجہ محترمہ حضرت اسما بنت عمیس رض نےان کو غسل دیا اور غسل کے وقت ان کے بیٹے حضرت عبدالرحمان رض اپنے باپ کے بدن پر پانی ڈالتے رہے۔ میت کو مسجد نبوی لے جاکر آپ رض کی نماز جنازہ حضرت عمر فاروق رض نے پڑھائی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں لے جاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں لحد کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر سے چپکا کے رکھا گیا۔ روح جب قفس عنصری سے پرواز کرگئی،اس وقت ان کے لبوں پر یہ آیت کریمہ تھی:

"توفنی مسلما و الحقنی با لصالحین" (اے میرے رب !) مجھے مسلمان ہونے کی حالت میں موت دینا اور مرنے کے بعد صالحین کے پاس جگہ دینا"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے وقت، منافقین، کفار ، مفاد پرستوں اور ضعیف الایمان عناصر نے مختلف قسم کے فتنے اور فسادات برپا کردیے، جن سے اکابر صحابہ بھی بے حد پریشان ہوگئے، کیونکہ ان عناصر نے عرب سے اسلام کو مٹانے کے لئے طاقتور لشکر منظم کردیے۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیق رض نے خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالتے ہی ان کے ساتھ نمٹنے

کا عزم بالجزم کردیا اور اپنے مختصر عہد خلافت میں نہ صرف مفسدین کا سر کچل دیا، عرب کو متحد کردیا، بلکہ ہمسایہ طاقتوں کے جنگی عزائم کو بھی ناکام بنا کر، اسلامی سرحدوں کو وسیع کردیا۔ آخر میں سب سے بڑا کارنامہ جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انجام دیا، وہ قرآن کی آیات مبارکہ کا جمع کرنا اور اس کے مصاحف ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تحویل میں دینا تھا۔

بہر کیف خلافت راشدہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہ کی شہادت کے بعد بھی حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سربراہی میں چھ مہینے قائم رہی، لیکن وہ خلافت سے دستبردار ہوگئے اور حضرت امیر معاویہ نے کاروبار حکمرانی سنبھال لیا۔ یہ نیا دور امویوں کا دور ملوکیت تھا ۔ تاہم درمیان میں چند خوش قسمت سال بھی طلوع و غروب ہوئے۔ مجموعی طور پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل بیت کی شہادت کی وجہ سے امت انتشار و افتراق اور بدنصیبی میں گھر گئی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے دوبارہ اس زمانہ خیر کا احیا کیا اس لئے ان کا دور مبارک خلافت راشدہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ بلکہ بعض علما کا پختہ نظریہ ہے کہ حضرت علی رض کی شہادت کے بعد خلافت حضرت حسن رض کے پاس مختصر مدت کے لئے رہی اور ان کے بعد اسلامی حکومت حضرت امیر معاویہ کے قبضے میں آگئی اور شہنشاہیت بن گئی۔۔ اگرچہ قوانین اب بھی اسلامی تھے اور کافی عرصے تک ایسا ہی رہا۔

حضرت ابوبکر صدیق رض کا عہد مبارک گو کہ مختصر تھا، لیکن انہوں نے اس مدت میں وہ کارہاے نمایاں انجام دیے، جو ابد تک اسلامی حکومتوں کی رہنمائی کے لئے نشانات راہ رہیں گے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد دوبارہ عرب اتحاد پیدا کرنا، نبوت محمدی کی اساس پر نظام ملکی برپا کرنا، رسالت محمدی کے خلاف مفسدین کی مکمل سرکوبی کرنا اور عدل و انصاف کا

ماڈل سامنے لانا۔یہ اسی اتحاد کی برکات تھیں کہ بعد میں صدیوں تک دنیا کے مختلف خطوں میں اسلام پھیل گیا اور مسلم حکومتوں کا سیاسی اور علمی عروج دیکھنے میں آیا۔ اموی، عباسی، سلجوقی، یہ الگ بات ہے کہ ان میں بادشاہت کے معایب بھی پیدا ہوگئے۔ہسپانوی اموی اور عثمانی ترکیہ ،یہ سب حکومتیں اسی اتحاد کا مظہر تھیں۔ اگرچہ عثمانی سلطنت ترکیہ تھی ، لیکن اس نے عرب و عجم میں افریقہ اور ایشیا اوریورپ تک ۲۰ویں صدی تک جہانبانی کی اور اسلام ہی کو اپنا مطمح نظر قرار دیا۔ مسلم سلطنتوں کے طویل شاہی اور سلطانی ادوار میں اگرچہ ان مختلف خاندانی حکمرانوں کے تحت شرعی قوانین ہی ملکوں کی معاشرتی اور تمدنی زندگی کی تشکیل کرتے رہے، تاہم ان کا انداز حکمرانی آمرانہ ہی تھا اوریہ حکمران ریاست طیبہ اور خلافت راشدہ کے نظام حکمرانی کے عین مطابق نہیں تھے ۔ عوام یہ سمجھتے تھے اب ہمارے درمیان خلفاء رشدین نہیں ہیں۔ اس لئے عوام کی دینی اور معاشرتی رہنمائی کے لئے علما حق ہی مرجع خلائق بن گئے اور آج تک دنیائے اسلام میں انہی پاک نفوس علما کی قرآنی، سنتی، فقہی اور روحانی تشریحات اور تعبیرات کو مانا جاتا ہے اور ان پر عمل کیا جاتا ہے۔ کئی بادشاہوں نے ان علما قران و سنت کو زیر کرنے کی کوششیں کیں اور کئی علما کو قید وبند اور کوڑوں کا شکار بننا پڑا، دوسرے طریقوں سے بھی ان کو رام کرنے کی کوششیں کی گئیں، لیکن کسی کا سر جھکایا نہیں جاسکا، کسی کو خریدا نہیں جاسکا۔ عباسی دور میں امام ابو حنیفہ رح، امام شافعی رح، امام احمد بن حنبل رح اور امام مالک رح اور ہندوستان کے مغلیہ دور میں حضرت مجدد الف ثانی رح کی روشن مثالیں ہمارے سامنے ہیں، جنہوں نے اپنی ذاتوں کو قربان کیا، لیکن شریعت اسلامی پر کسی قسم کی آنچ نہیں آنے دی۔ ان علما کی خوبی ان کا عظیم کردار تھا، جس میں سیاسی یا مذہبی نمود نمائش نہیں تھی۔ انہوں نے دین کو سیاست کے لئے استعمال نہیں کیا اور مذہبی فتوے سیاست دانوں اور حکمرانوں کی خوشنودی کے لئے جاری نہیں کئے۔یہ حضرات کمال

استغنئ کی روش پر رہے، اسی لئے آج بھی دنیا کے کروڑوں مسلمان ان کی بصیرت پر مکمل اعتماد رکھتے ہیں۔ وقت کے بہت سارے حکمران ان کو قدر و منزلت سے دیکھتے تھے اور ان کی دہلیز کو چومتے تھے۔ ان کا سب سے بڑا وصف یہ تھا کہ یہ حضرات جب بھی وقت آیا، جہاد کی صف بندی مُس شامل ہوگئے اور اسلام اور مملکت اسلامی کی سرحدوں کی حفاطت کے لئے لشکر اسلام میں شامل ہوگئے۔ آج ہماری دنیا میں جتنے اسلامی ممالک اور ان کی سرحدیں ہیں، وہ ان کی قربانیوں کا ثمر ہیں۔ یہ سب کچھ خلافت راشدہ کا ثمر تھا، جس اصول پر حضرت ابوبکر صدیق رض اور ان کے بعد آنے والے خلفاء ڈٹ گئے تھے، یہی ہمیشہ علما حق کا شعار رہا۔ انہوں نے مسلمانوں کے سامنے جہاد اور اجتہاد کی قندیلیں روشن کیں۔ اگر مسلمان حکمران ریاست طیبہ اور خلافت راشدہ کا نظام ملکی، اور مواخات کا مطالعہ جاری رکھتے اور موجودہ ادوار میں اس پر عمل کیا جاتا، تو مسلمان آج گرداب میں نہیں ہوتے۔ اٹھارہ، انیس اور بیسویں صدی میں مسلمان حکمرانوں اور سیاست دانوں نے بصیرت کا مظاہرہ نہیں کیا اور اکیسویں صدی میں بھی امت مسلمہ ہمچو قسم کے گرداب میں پھنس گئی ہے۔ یہاں تک کہ سامراجی اور صلیبی مغرب کی سازشیں کامیاب ہورہی ہیں ۔دسویں صدی سے مسلمان حکمرانوں اور رہنماوں کو یہ یقین ہوچکا تھا کہ یورپ کے حکمران، مسلمانوں کے ساتھ اپنی لڑائیوں کو صلیبی بنیاد دے کر اسلام کے خلاف طویل عرصے تک ایک محاذ جنگ کھول رہے ہیں، لیکن آخر میں عربوں، کردوں اور سلجوقیوں کی مزاحمت نے ان کو شکستوں سے دوچار کیا، لیکن بعد میں خود مسلمانوں میں اتحاد اسلامی کی جگہ نفس پرستی کے جراثیم پیدا ہوگئے۔ اس طرح بیت المقدس پر نوے سالوں تک صلیبیوں کی حکومت رہی، تا آنکہ صلاح الدین ایوبی رح کی کمان میں مسلمانوں نے فلسطین کو صلیبی حکمرانوں سے آزاد کردیا۔ عباسی خلافت کے زوال کے بعد نراج رہا ، لیکن سلجوقی سلطنت کے قیام نے اس خلا کو پر کرلیا۔ ۱۲ ویں صدی میں ترکوں کی

عثمانی سلطنت کا عروج ہوا اور یہ خلافت عثانیہ بھی کہلائی۔ یہ جنگ عظیم اول تک مسلمانوں کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت تھی، جس کا سکہ ایشیا، ایشیائے کوچک، وسط ایشیا، مشرق وسطیٰ، افریقہ اور یورپ میں بلقان ریاستوں تک قائم ہوا۔ہندوستان کی مغل سلطنت بھی سلطنت عباسی کے بعد اسی مرکز کو مقدس اور محترم سمجھتی تھی۔ حتیٰ کہ جب سلطنت عثمانیہ کے جرنیل مصطفیٰ کمال پاشا نے پہلی جنگ عظیم کے بعد خلافت عثمانیہ کے خاتمے کا اعلان کردیا اور ترکی کو ایک سکیولر اور لبرل ریپبلک قرار دیا، اسوقت پورے برصغیر میں عثمانیوں کے حق میں تحریک خلافت چلی ، جس میں حیرت انگیز طور پر ہندوستان کے مسلمان اور ہندو متحد نظر آئے۔ بہرحال یورپ اور انگلستان کی جن صلیبی طاقتوں نے مسلمانوں سے صلیبی جنگوں کا انتقام لیا، انہوں نے اپنی اسلام دشمن تحریک کے لئے علاقائی اور نسلی تعصبات بھڑکائے اور پہلے ینگ ترکوں کو جمہوریت اور آئین سازی کے نام پر بعد میں عربوں کو لسانی بنیادوں پر ترکوں کے خلاف منظم کرایا۔ حالانکہ عثمانی سلطنت مسلم حکومت ہونے کے باوجود کثیر الاقوام شناخت کی حامل تھی اور سرکاری سطح پر سلطنت کے اندر عیسائیوں ، یہودیوں اور زرتشتیوں کو ملتوں کے طور پر تسلیم کیا گیا تھا اور ان کے سماجی اور مذہبی قوانین کو تحفظ دیا گیا تھا۔ سلطنت کے تمام شعبوں میں عیسائی، یہودی اور زردتشتی مساویانہ حقوق کے حامل تھے اور تجارتی اور معاشی میدانوں میں یہودی سب سے آگے نکل گئے تھے۔ یہ معاملہ آج بعض طالب علموں کے لئے حیران کن ہوگا، کہ جب ہسپانیہ کی نو سو سالہ اسلامی سلطنت زوال کا شکار ہوگئی اور اسلامی اندلس کے آخری مرکز غرناطہ کا سقوط ہوا ، ہمسایہ عیسائی سلطنت کی ملکہ ازابیلا اور شاہ فرنانڈیز نے لاکھوں مسلمانوں کے قتل عام اور جلاوطنی کے بعد ۱۴۹۲ میں اسپین میں اسلام پر پابندی لگائی، تو اسپین کے یہودی بھی صلیبی حکمرانوں کی دہشت گردی کا شکار ہوگئے، ان کو بھی جلاوطن کردیا گیا۔ چنانچہ کچھ یہودیوں کو

مراکش کی مسلم حکومت نے پناہ دی لیکن بڑے پیمانے پر استنبول کی خلافت عثمانیہ نے مسلمانوں کی طرح اسپینی یہودیوں کو بھی اپنی سلطنت میں آباد ہونے کی اجازت دے دی۔ یہی نہیں بلکہ ان کے مذہبی عقائد کا احترام کیا گیا اور ان کو زرعی اور معاشی سرگرمیوں کے تمام مواقع بحیثیت ایک ملت دے دیے گئے۔ اگرچہ عثمانی ترکی سلطنت کا سرکاری دین اسلام تھا، لیکن حکومت کی مستقل پالیسی یہ تھی کہ اہل کتاب اپنے مذہبی عقائد اور قوانین پر چلیں گے اور مسلمان اسلام پر عمل پیرا ہونگے۔ اس طرح سلطنت اندلس ہو یا سلطنت عثمانیہ (استنبول)، ان کی صدیوں میں کبھی کوئی ایک بھی مذہبی فساد مسلمانوں اور غیر مسلم شہریوں کے درمیان نہیں ہوا، بلکہ سب سے زیادہ تجارتی ترقی یہودیوں ہی نے کی۔ انہوں نے کبھی ایک علیٰحدہ یہودی ریاست نہیں مانگی۔ یہ جرمنی کا تھیوڈر ھرتزل نامی یہودی تھا جس نے صیہونی ریاست کی تحریک کا تصور دیا اور انگریزوں اور یورپی طاقتوں نے اس کے حصول میں سلطان عبدالحمید ثانی پر دباو ڈالا اور پہلی جنگ عظیم میں جب جرمنی نے شکست کھائی، تو یہ سازشیں تیز ہوگئیں۔ لیکن سلطان عبدالحمید ثانی کے عہد میں انہیں کوئی کامیابی نہیں ہوئی، جب تک نہ انگریزوں نے ۱۹۱۸ میں فلسطین پر قبضہ کرلیا۔ ان دونوں کی ازلی دشمنی رومی سلطنت کے زمانے سے تھی اور اب انگریزوں اور یورپینوں کی یہ سازش تھی کہ ان کو یورپ سے نکال دیا جائے اور یہ زہریلا خنجر عربوں کے سینے ۔۔ فلسطین میں گھونپا جائے، تاکہ ایک تیر سے دو شکار ہوجائیں۔ احسانات فراموش یہودیوں نے کئی صدیوں تک سلطانت عثمانیہ کی رواداری سے خوب فائدہ ٹھایا اور بالاخر جس برتن میں وہ چھ سو سال عیش و عشرت سے کھاتے رہے، اسی میں چھید کردی۔

عرب حکمران اور امرا اس سازش کو نہیں سمجھ سکے، وہ کوتاہ اندیش اور ذاتی اغراض کی وجہ سے سیاسی لحاظ سے اندھے ثابت ہوگئے، انہوں نے سلطنت عثمانیہ کے خلاف برطانیہ کے ایما پر تیغ

و تفنگ سنبھالے اور چھ سو سالہ وسیع و عریض مسلم سلطنت ٹوٹ گئی۔ اس ٹوٹی ہوئی مملکت کے چپے چپے پر یورپی حکمرانوں کے پرچم لہرائے اور اس کے ساتھ ہی فلسطین میں صیہونی ریاست بھی قائم کردی گئی۔ عربوں اور ترکوں کے درمیان مخاصمت کی بھرپور تخم ریزی کرنے کے دوران ان میں بظاہر تو عرب نیشنلزم کی آبیاری کی گئی۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ عرب اپنی خود مختاری اور اتحاد سے محروم ہوگئے۔ ترکیہ کی عثمانی سلطنت سے الگ ہونے کے بعد تمام عرب صوبوں پر مشتمل ایک عرب اخوان کا تصور بھی ابھرا، لیکن انگریزوں اور یورپینوں کی سازشوں اور عربوں کی تنگ نظری نے عرب اخوان کے تحت ایک متحدہ عرب ریاست کا خواب چکنا چور کر دیا۔ کرنل لارنس ایک عرب شیخ کے بھیس میں عالم عرب کو جل دینے میں کامیاب رہا اور اس سامراجی دجل و فریب نے موروثی نظام کی شکل اختیار کی۔یہی وجہ ہے کہ آج بھی عرب لیگ اور او۔آئی۔سی اپنے کاغذی آئین کو عملی شکل دینے میں کامیاب نہیں ہوسکے ہیں اور مسلم ریاستوں کی یہ عالمی اور علاقائی تنظیمیں قراردادوں سے آگے نہیں بڑھ سکیں اور صیہونی اقتدار نہایت بے دردی کے ساتھ فلسطینی عربوں کی نسل کشی میں آگے بڑھ گیا ہے۔ عثمانی سلطنت کے زوال کے بعد جنگ عظیم اول کی فاتح مغربی اتحادی اقوام نے لیگ آف نیشنز قائم کی اور عرب صوبوں کو برطانیہ، فرانس، اور امریکہ میں بانٹ دیا گیا۔اس طرح سے وہ عرب اتحاد ختم ہوگیا، جو لاالہ اللہ محمد الرسول اللہ کی بنیاد پر عربوں کو ایک لڑی میں پرونے میں کامیاب ہوگیا تھا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کے انتقال کے بعد اسی اتحاد کے خلاف اٹھنے والی جنگی سازشوں کو حضرت ابوبکر صدیق رض کی خلافت کے تدبر اور عقابی نگاہوں نے وسیع دفاعی مہمات کے ذریعے سے ناکام بنا دیا تھا۔اس طرح سے عرب اتحاد کا نسخہ پیش کرکے، امت کے وسیع تر اتحاد و اتفاق کے لئے راستہ ہموار کیا گیا تھا۔ آخر جس یورپی اور انگریزی سامراج نے اپنے معاشی اور سامراجی

عزائم کے لئے استنبول کی سلطنت عثمانیہ کے خلاف حجاز اور نجد کے شریفوں اور سرداروں کو لڑایا، وہ کیسے کل عرب دنیا کا ایک وفاق بننے دیتے۔ لارنس آف عربیہ اسی سلسلے کی اہم ترین کڑی تھی۔ حجاز اور نجد کو بھی آپس میں لڑایا گیا اور عربوں میں ایسی الگ الگ بادشاہتیں قائم کرائی گئیں، جو آج تک مغربی طاقتوں اور امریکہ کے مفاد ات کو مغربی دفاعی معاہدوں سے تحفظ اور تقویت دیتی ہیں۔جب عربوں نے الگ الگ ریاستوں کے تحت امریکہ اوریورپ کے ساتھ فوجی معاہدات کئے ، اس کے بعدبیسویں صدی میں کئی مسلم ممالک بشمول پاکستان مغربیوں کی غلامی سے آزاد تو ہوگئے، لیکن پھر بھی انہوں نے اپنے آپ کو انگریزوں کے فوجی معاہدوں کی زنجیروں میں جکڑ دیا۔ اقبال رح نے انہی کو خطاب کیا تھا:

یورپ کی غلامی پہ رضامند ہوا تو۔۔ مجھ کو گلہ یورپ سے نہیں تجھ سے گلہ ہے !

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رض نے جس طرح خاتم الانبیا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہہ وسلم کے آخری خطبہ حج کے مطابق عرب اتحاد کو مستحکم کیا تھا، ریشہ دوانیاں ختم کی تھیں اور خلفاء راشدین نے عرب اسلامی اتحاد کے مشن کو سیسہ پلائی ہوئی دیوار میں تبدیل کیا تھا، اور ان کے بعد آنے والی مسلم بادشاہتوں نے عرب وحدت کو نہ صرف مضبوط کیا بلکہ اس کی سرحدوں کو وسیع کردیا تھا، وہی اللہ اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان اور منشا ہے۔ میں نے خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رض کی حیات مبارکہ کے کارناموں کو سامنے رکھتے ہوئے مسلمان حکومتوں کے موجودہ حالات کو پرکھنے کی کوشش کی ہے، کیونکہ خلافت صدیقی علیٰ منہاج النبوۃ تھی اور اسی خلافت نے توحید اور رسالت محمدی کے خلاف کفر و ارتداد کے تمام حملوں کا سر کچل ڈالا تھا اور اپنے جانشینوں کے لئے کامیابی کے نقوش قائم کئے۔یہ بدقسمتی تھی کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک عجمی نے شہید کیا اور تیسرے اور چوتھے جانشینوں کے سالوں میں

خطرناک اندرونی طوفان آئے اور جکڑ چلے اور باہی خونریزیوں میں ملت کے دو عظیم المرتبت جانشین۔۔ حضرت عثمان ذو النورین رض اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہ ، شہید کیے گئے اور ہزاروں صحابہ کرام نے بھی جام شہادت نوش فرمایا، لیکن یہ امر مسلمہ ہے کہ ان کی خلافت بھی دینی اور دنیوی امورات میں مثالی رہی۔ ان ہی کے نقوش پر حضرت حسن بن علی رض کی چھ ماہ تک خلافت رہی اور اموی عہد میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رض کا سوا دو سالہ عہد مبارک بھی خلافت راشدہ کا تسلسل شمار کیا جاتا ہے۔

اس اکیسویں صدی میں بھی مسلمان تشنہ ہیں کہ کب خلفاء راشدین کے عہد مبارک کا احیائے نو ہوجائے اور امت مسلمہ خلفشار، ظلم و ستم اور غلامی و غربت سے نجات حاصل کرلے۔آج دنیا بھر کے مسلمانوں کی یہ تمنا ہے کہ عرب کے زعماء اقتدار تمام مسلمانوں کو اسی طرح سمجھیں جس طرح قرآن و احادیث، خطبہ حجۃ الوداع، خلفاء راشدین اور صحابہ، تابعین اور تبع تابعین نے سب کو بھائی بھائی قرار دیا تھا اور ان کے درد و غم کو اپنا دکھ درد قرار دیا تھا ۔ کب طاقتور مسلمان ممالک خاصکر عرب حکمران ، مظلوم اور مقہور مسلمانوں کے پیچھے سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح کھڑے ہوجائیں۔ افسوس ہے کہ ایسا نہیں ہورہا ہے، دنیا کے مختلف ممالک میں مسلمانوں کا قتل عام اور وطن بدری جاری ہے۔ اسلاموفوبیا کی مہم زوروں پر ہے اور مساجد اور اسلامی مراکز اور قدیم و جدید ااسلامی آثار مٹائے جارہے ہیں اور ان کی جگہ بت کدے تعمیر کئے جارہے ہیں، بلکہ بعض ممالک عربیہ میں بت خانوں کی پر شکوہ اور فلک بوس عمارات تعمیر کی گئی ہیں۔ غیر اسلامی تہذیب و ثقافت کو عروج بخشنے کے لئے بڑے پیمانے پر مسلم ملکوں میں بھی غیر اسلامی رنگ ڈھنگ کی پذیرائی کی جاتی ہے، جبکہ اسلامی ثقافت اور آثار اسلامی کو ایک ایک کرکے مٹایا جارہا ہے۔ یاد رکھئے کہ دنیا کے مسلمان سال بھر عرب کے مقدس شہروں میں جدید اور بلند و بالا اور

ہوشربا عمارات، ہوتل اور ریستوران اور شاہراہیں دیکھنے نہیں جاتے ہیں۔ وہ احکامات الہی کی رو سے اور حرمین شریفین کی زیارت کے لئے مقدس سفر پر گھروں سے نکلتے ہیں۔ یہ مسلمانوں کا فرض اور حق ہے اور سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ و السلام کے نام اللہ تعالیٰ کی بشارت کا اعلان امت محمدی کو سنایا جاتا ہے۔ اس لئے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ حکومتیں ارض پاک میں کیا کرتی ہیں، جن سے اسلام، اسلامی اقدار اور امت کے لیل و نہار متاثر ہوتے ہیں۔

قرآن کریم، خاتم الانبیاء کرام سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و سلم کی تعلیمات کا یہی مقصود و مفہوم ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رض اور دیگر اولوالعزم خلفاء راشدین رض نے اپنے اپنے عہد خلافت میں اور صحابہ کبار اور ائمہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس مقدس مشن کو آگے بڑھایا، جس کی بدولت دنیا کے کروڑوں انسانوں کو ہدایت نصیب ہوئی اور رشد و ہدایت کا یہ سلسلہ جاری ہے۔ آنحضرت ﷺ کے انتقال کے بعد آپ ﷺ کا جو مشن خلفاء راشدین اور ائمہ کرام نے آگے بڑھایا، اسی کو جدید عصری تقاضوں اور چیلنجوں میں چلانے کا فرض مسلمانوں کی موجودہ حکومتوں اور بین الاقوامی اسلامی تنظیموں پر عائد ہوتا ہے۔ اس وقت دنیا میں ۵۷ آزاد اور خود مختار مسلمان ممالک ہیں۔ علاوہ ازیں دیگر ملکوں میں بھی مسلمان آباد ہیں۔ ایشیا، افریقہ، یورپ، شمالی اور جنوبی امریکہ کے ممالک مسلمانوں سے بھرے پڑے ہیں۔ خود مختار مسلمان ملکوں کی ایک بین الاقوامی تنظیم۔۔ اسلامی ممالک کی تعاون تنظیم (او۔آئی۔سی) کا ہیڈ کوارٹر جدہ میں کام کرتا ہے، جس کا آئین اسے اسلام اور مسلمانوں کے دینی و دنیوی مفادات کی حفاظت کرنے کا پابند بناتا ہے۔ یہ سب ممالک اقوام متحدہ کے ممبر بھی ہیں۔ عرب ممالک کی تنظیم عرب لیگ ہے، جو عربوں کے مفادات کو تقویت دینے کی پابند ہے۔ اقوام متحدہ کے سب سے بڑے ایوان جنرل اسمبلی میں تمام مسلمان ممالک کی ایک بھاری شناخت اور رکنیت ہے۔ ان تمام

مسلم ممالک میں سعودی عرب کا ایک مرکزی اثرانداز مقام وکردار ہے، کیونکہ اس نے حرمین شریفین۔۔خانہ کعبہ اور روضہ رسول ﷺ کی حفاظت اور زائرین حرم کی سہولیات ، امن و امان اور انصرام و انتظام کے فرائض سنبھالے ہیں۔ حرمیں شریفین کے منتظمین کو جو عالمی مرتبہ و مقام حاصل ہے، خانہ کعبہ اور روضہ اطہر کی وجہ سے حاصل ہے۔یہاں کے امراء اور ارباب اختیار کو اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لانا چاہیئے اور نبی کریم ص ع کو درود وسلام بھجتے رہنا چاہیے اور جو کروڑوں مسلمان زیارت حرمین شریفین کے لئے یہاں آتے ہیں، ان کی عزت و سامتی کو مقدم تصور کرنا چاہیے۔معمار حرم پاک حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور خاتم الانبیاء سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی تعلیمات اور فرمودات کا ماحصل یہی ہے ، جس کو عملانے کے لئے دنیائے اسلام میں ارباب اقتدار کو اپنے اختیارات کو بروئے کار لانا ہوگا، وگرنہ وہ مسلم دنیا میں انتہائی بے چینی، کشمکش اور نراج کا دروازہ کھولنے کے ذمہ دار ہوں گے ۔ وہ اپنے آپ کو احتساب سے بالاتر نہیں سمجھیں، اپنے اقتدار کو ناگزیر نہ خیال کریں اور انہی پالیسیوں کو اپنائیں، جو اسلام اور مسلم مفادات میں ہوں۔اگر انہیں سیاسی عزم نہیں ہے یا اپنے مفادات عزیزہیں یا غیروں کے مفادات کی رکھوالی کرنی ہے، تو وہ ان ممالک پر حکمرانی کا کوئی حق نہیں رکھتے ہیں۔

مسلم دنیا کی مقتدرہ کو یہ احساس کرنا چاہیئے کہ اس وقت بیرونی طاقتیں مسلم دنیا کی لگام اپنے ہاتھ میں لے کر، نئی سرحدوں کو قائم کرکے مسلمانوں کا شیرازہ پراگندہ کرکے اپنی مرضی کا عالمی نظام برپا کرنے میں سرگرم کارہیں۔اپنے اس ارادے اور حرص کو مسلط کرنے کے لئے، دنیائے اسلام میں انتشارپیدا کیا گیا ہے، مسلمانوں کے لئے لاینحل مسائل اور مشکلات پیدا کردی گئی ہیں اور ان سے یہ حق اور اختیار چھین لیا گیا ہے کہ وہ اپنے مسائل بیرونی طاقتوں کی دخل اندازی کے بغیر حل کریں۔

آج مسلمانوں کی تاریخ کو جن مشکلات کا سامنا ہے، یہ بے شک خوفناک ہیں۔ گزشتہ صدیوں میں انسان کو سائنسی تصرف حاصل نہیں تھا اور مختلف ممالک ایک دوسرے کے حالات سے کماحقہ واقفیت نہیں رکھتے تھے، لیکن آج سائنس اور ٹیکنولوجی کی حیران کن ترقی نے ٹائم اور اسپیس کو سمیٹا ہے اور کرہ ارض ایک گلوبل ویلج بن گئی ہے۔ اگر اب بھی دنیائے اسلام مادی، افرادی اور سائنسی طاقت ہونے باوجود اخوت کا ثبوت نہ دے اور اپنے مظلوم و مقہور بھائیوں کو ظلم و ستم سے نجات نہیں دلاسکے، تو پھر ایسی حکومتوں اور عالمی اور علاقائی تنظیموں کا انسانیت کو کیا فائدہ ہے۔ افسوس ہے کہ مسلم طاقتیں اور تنظیمیں حمیت ملی اور درد انسانیت اور خودداری سے عاری نظر آرہی ہیں۔ مغربی طاقتوں نے ان کی چابی اپنے ھاتھ میں پکڑ کر رکھی ہے۔ دنیائے اسلام کے حکمران اپنے مسائل کو قرآن و سنت اور خلفاء راشدین کے لائحہ عمل کے مطابق حل کرنے سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے ہیں۔ فلسطین اور کشمیر کے مسائل پہلے ہی پیچیدہ کردیے گئے تھے، لیکن اب ان کا رہا سہا وجود بھی خاکستر کیا جارہا ہے۔ اکتوبر ۲۰۲۳ سے ایک امپورٹڈ طاقت۔ صیہونی ریاست نے عالمی امریکی طاقت کی پشت پناہی سے غزہ میں فلسطینیوں کا قتل عام شروع کردیا۔ غزہ میں فلسطینیوں کا جینو سائڈ تاریخ انسانی کو سرتا پا خون سے سرخ کرچکا ہے، جس کو اقوام متحدہ اور عالمی عدالت انصاف بھی نہیں روک سکے۔ ۱۹۴۸ میں بھی فلسطینیوں کا قتل عام کیا گیا تھا اور سات لاکھ باشندگان فلسطین کو اپنے گھروں سے بے خانماں کردیا گیا، لیکن آج شہداء فلسطین کی تعداد تیس ہزار مقتولین سے تجاوز کرچکی ہے اور یہ انسانی خونریزی شب و روز جاری ہے۔ گلی کوچوں اور شاہراہوں پر بے گور و کفن لاشیں اور اجتماعی قبریں ہیں اور غزہ میں بچوں، نوجوانوں کی بوری بند لاشیں مل رہی ہیں۔ بچوں اور عورتوں کی آہ و بکا ہے، لیکن ناجائز صیہونی ریاست کو امریکہ اور

یورپ نے زمین و آسمان اور سمندر کی جدید ترین حربی و ضربی، ایٹمی اور غیر ایٹمی طاقت سے لیس کردیا ہے، جبکہ غزہ میں فلسطینیوں کو بنیادی ضروریات زندگی سے محروم رکھا گیا ہے اور خوراک پہنچانے کے لئے بھی اسرائیل کی اجازت لازمی ہے۔ لیکن بین الاقوامی انسانی امداد پہنچتے وقت بھی غزہ والوں پر بمباری جاری رکھی جاتی ہے۔عرب دنیا کی حکومتیں، عرب لیگ اور او۔آئی۔سی ، فلسطین کے نکبہ ثانی پر آج جس طرح فلسطینیوں سے بے اعتنائی برت رہی ہیں، وہ تاریخ کا سیاہ ترین باب اور عظیم سانحہ ہے۔ اسی سے ملتا جلتا تنازعہ جموں و کشمیر کی آزادی اور حق خودارادیت کا ہے، جس کی حمایت کے لئے او۔آئی۔سی نے اپنا ایک کنٹیکٹ گروپ عشروں پہلے قائم کیا تھا، تاکہ کشمیریوں کی مدد کی جاسکے اور وہ بھی آزاد اقوام کے ساتھ زندگی گزار سکیں۔ کشمیر میں گزشتہ بتیس سالوں سے فوجی آپریشنوں میں ایک لاکھ کے قریب عام لوگ ، شہری اور رہنما شہید کئے جاچکے ہیں، ان کے ہزاروں جنازوں میں لاکھوں لوگ شرکت کرچکے ہیں اور ایک سرحدی قصبے کپواڑہ سے لے کر اننت ناگ اسلام آباد اور دوڈہ، بھدرواہ اور کٹھوہ کے دیہات تک ہزاروں عورتوں کی آبرریزی کی جاچکی ہے، لیکن یو۔این۔او ہندوستان کی دست درازی نہیں روک سکا اور مسلمان ممالک اور ان کی عالمی تعاون تنظیم ہندوستان کے ساتھ اپنے اقتصادی تعلقات پر نظر ثانی کرنے کے لئے تیار نہیں ہوئی۔دوسری طرف سے ہندوستان کے پچیس کروڑ مسلمان شہریوں کو بے رحمی کے ساتھ لنچ اکیا جارہاہے، ان کے مکانات کو بلڈوز اور ان کی زمینوں اور اساسوں پر قبضہ جمایا جاتاہے، وہ سرکاری ملازمتوں سے برطرف کیے جاتے ہیں اور تاریخی مساجد کو ایک ایک کرکے بلڈوز کرکے مندر تعمیر کیے جارہے ہیں ۔برما میں گزشتہ کئی دہائیوں سے سخت گیر فوجی حکومت اور بودھ بھکشؤں نے روہنگیائی مسلمانوں اور ان کی خواتین کو کس طرح قتل و غارت اور آبروریزی کا نشانہ بنایا اور سات لاکھ روہنگی مسلمان شہریوں کو جلاوطن کیا گیا اور ان کی جائداد اور

اراضی اپنے قبضے میں لے لی، ایک اور المناک داستان ہے۔ ان میں سے اب تک جو مہاجرین حوادث سے بچ چکے ہیں، وہ بنگلہ دیش کے ساحلی علاقوں میں مسکنت اور مصائب کی زندگی گزار رہے ہیں۔ الغرض مسلمان خواہ وہ یمن، لبنان، شام و فلسطین، کشمیر، ہندوستان، برمایا کسی بھی کنفلکٹ اور وار ذون میں ہوں، مسلم دنیا کے سربراہوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ ہادی برحق حضرت محمد ﷺ کے فرمودات کی روشنی میں مظلوموں کو ظلم سے نجات دلانے کے لئے اقدامات کریں۔ لیکن موجودہ حالات میں کس سے امید رکھیں۔ خود مسمان مملکتوں اور حکمرانوں میں آج کل اخوت کا وہ دائمی رشتہ نظرانداز کیا جاتا ہے اور مختلف لسانی اور نسلی گروہ قوم کے بڑے بڑے گروہوں کے تعصبات یا ریاستی جبر کے شکار ہوجاتے ہیں۔ ان حالات میں تمام مسلم ریاستوں اور ان کے سربراہوں کا فرض ہے کہ وہ قرآن، نبی کریم ص ع کے احکامات، فرمودات اور خلفاء راشدین اور فقہاء کرام کی عملی مثالوں کو سامنے رکھیں۔ مسلمان ملکوں کے اندر اسوقت جو داخلی انتشار اور بد اعتمادی پائی جاتی ہے، وہ اپنی بنیادوں کو ڈھانے یا نظرانداز کرنے اور ملت اور ریاست کے نظام میں اخوت اور عدل کو پس پشت ڈالنے اور علاقائی اور لسانی حق تلفیاں اور زیادتیاں کرنے کا نتیجہ ہے۔ فلسطین اور فلسطینی عربوں کے ساتھ جنگ عظیم اول کے بعد سلطنت عثمانیہ کے حصے بخرے کرنے کے بعد برطانیہ اوریورپ کے صلیبی سامراج نے اسلام دشمنی میں جو کچھ روا رکھا اور اقوام متحدہ کی صیہونی ریاست کے قیام کی قرارداد منظور ہونے کے بعد ۱۹۴۸ میں بے بس اور بے کس فلسطینیوں کا جس یلغار اور طغیان کی ساتھ قلع قمع کیا گیا، وہ تو اپنی جگہ ایک قیامت تھی، جس سے فلسطینی پھر کبھی سنبھل ہی نہیں سکے، لیکن اب آزاد، خودمختار اور مالدار عرب ریاستوں کی موجودگی میں صیہونی حکمرانوں نے امریکہ کی مدد سے فضائی اور زمینی بمباری کا جو برہنہ ناچ ۲۰۲۳ میں شروع کر رکھا ہے، اس کا کسی قتل عام یا

ہولوکاسٹ سے مقابلہ اور موازنہ ہی نہیں ہے۔ اس پر ماتم یہ کہ امریکہ بضد ہے کہ وہ اپنا ویٹو استعمال کرتا رہے گا اور عارضی جنگ بندی بھی نہیں ہونے دی جائے گی کیونکہ صیہونی نیتن یاہو، عرب دشمن اور اسلام دشمن عناصر یہی چاہتے ہیں کہ فلسطین کا نام ونشان مٹادیا جائے، یعنی کوئی عرب مسلمان باقی نہیں رہے، فلسطینی عربوں کی اس طرح نسل کشی کی جائے کہ کوئی نام لیوا بھی نہ رہے اور کچھ عرصہ بعد جزیرۃ العرب اور خلیجی عرب سے بھی عرب مسلمانوں کا صفایا کردیا جا ئے اور عظیم تر صیہونی مملکت کا یورپی اور امریکی خواب مکمل کردیا جائے۔اس طرح امریکہ اور یورپ کے اقتصادی اور سیاسی عزائم کے لئے دنیائے عرب کے لامحدود بری، بحری اور زیر زمین اور زیر سمندر وسائل ، مغربی سامراجی طاقتوں کو عالمی تحدید آمیز قوت استعمال کرنے کی کھلی چھوٹ ملے۔ عرب حکمران ذاتی منفی جزبات کے اس حدتک اسیر بنگئے ہیں کہ انہیں عربوں اور مسلمانوں کے ملی اور اسلامی احساسات اور مفادات کا کوئی پاس و لحاظ نہیں رہا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ مغربی اور صیہونی طاقتوں کے ساتھ ہر قسم کے رشتے استوار کرکے ہی وہ عربوں پر اپنا اقتدار ہمیشہ ہمیشہ قائم رکھیں گے، لیکن یہ قانون قدرت کے خلاف ہے اور تاریخ اس کا منہ چڑا رہی ہے۔ آج نہیں تو کل، جزا و سزا کا قانون اپنا برہنہ کھیل شروع کردے گے اور یہ سب لوگ بے نام و نشان ہوجائیں گے۔عرب حکمرانوں کو امریکی حکمرانوں کی دوستی پر ناز رہا ہے، لیکن وہ دیکھ نہیں پاتے کہ امریکہ کا ایک سابق صدر اور صدارت کا امیدوار ڈونالڈ ٹرمپ، لاس اینجلز میں اوینجلیکل کرسچن بروڈکاسٹروں کے سامنے اپنی الیکشن مہم کے خطاب میں کہا کہ مجھے کرسچینٹی پر فخر ہے، میں نے ہمیشہ یہ مشن سامنے رکھا ہے، کرسچنوں کے لئے محنت کی ہے اور آئندہ بھی کرسچنٹی کو بچانے کا عہد کرتا ہوں"۔ بائیڈن یا کسی اور امریکی صدر کا مختلف مقصد نہیں ہوسکتا ہے۔اس وقت امریکہ کا وزیر خارجہ ہے، جو ایک کٹر صیہونی یہودی ہے۔ اس حقیقت کے باوجود کہ یہودی اور عیسائی

آپس میں تاریخی دشمنی کے لئے مشہور رہے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جن کو رومی بادشاہوں کے ذریعے پھانسی کی سزا دلوانے میں بنیادی کردار یہودیوں نے ادا کیا تھا۔ پھر بھی جنگ عظیم اول کے بعد یورپ کے صلیبی، امریکہ اور صیہونی یہودی فلسطینی عربوں کی وطن بدری، قتل عام اور ایک یہودی ریاست فلسطین میں قائم کرنے کے لئے قدم بقدم چلے اور آج تک یہی پالیسی ہے۔ کیونکہ مشترکہ مشن یہی ہے کہ فلسطین اور پورے عرب خطے سے اسلام اور مسلمانوں کو ختم کیا جائے۔ ورنہ یہ کہاں کا انسانی یا مذہبی اخلاق تھا کہ فلسطینی بچوں اور عورتوں پر کوئی رحم نہ کرو اور کسی ایک بچے اور عورت کو زندہ نہیں چھوڑو۔ یوں سرکاری سطح پر بچے مارنے کی پالیسی پر مکمل عمل کیا جارہا ہے اور جب کسی خاندان کو کلی طور پر موت کے منہ میں بھیجا جاتا ہے اور اگر کوئی بچہ زندہ رہتا باقی رہتا ہے، اس وقت اس کی بے بسی اور بے کسی لائق ماتم ہوتی ہے۔ ایسے گھٹا ٹوپ اندھیرے پیں بچے فریاد کرتے ہیں کہ اب ہماری زندگی کا کیا فائدہ ؟ ہمارے لئے بھی موت ہی بہتر ہے ۔ تل ابیب کی یہ انتہا پسند اور دہشت گرد نسلی حکومت کس منہ سے اپنے آپ کو پیشوایان مذہب، حضرات ابراہیم علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام ، داود علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کی وارث سمجھتی ہے، جبکہ پیغمبرانہ اخلاق سے صیہونی حکمرانوں اور لیڈروں کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔یہ لوگ پرلے درجے کے مادہ پرست، نسل پرست اور مفاد پرست ہیں، جو یورپ اور انگلینڈ کے ساتھ مل کر گزشتہ چند صدیوں سے ایک دوسرے کو ایشیا اور عرب میں اپنے اقتصادی اور سیاسی سامراجی اغراض کے لئے استعمال کر رہے ہیں اور اس لالچی دوڑ میں یورپی اور انگریزی سامراج کے صلیبی حکمران ، صیہونی نسل پرستوں کو یورپ سے عرب دنیا خاص کر فلسطین کی طرف دھکیلنے میں کامیاب ہوگیا، ورنہ حقیقت میں دونوں کی تاریخی اور مذہبی دشمنیوں کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ اس پالیسی کے تحت یورپ صیہونیوں سے جان چھڑانے

میں کامیاب ہوگیا اور عرب ان دونوں کے بچھائے گئے دام ہم رنگ زمین میں بری طرح پھنس گئے کہ انہوں نے اپنے فلسطینی بھائیوں کو ابتلا اور آزمائش میں تنہا چھوڑ کر فلسطین کے مٹنے اور فلسطینوں کی نسل کشی کے جرم عظیم کا ارتکاب کرلیا۔ حسرت ہے کہ وہ ، امریکہ اور برطانیہ کے حکمرانوں، سیاست دانوں اور ان کے بیٹوں اور بیٹیوں کی تابناکی اور چرب زبانی میں صیہونی حکمرانوں کے ساتھ خفیہ اور اعلانیہ معاہدے کرتے رہے اور فلسطین کا سودا کرتے رہے۔ لیکن پھر بھی آج صیہونیوں اور ان کے حکمرانوں کے سوا اور کوئی عالمی اور علاقائی ادارہ اور انسانی ضمیر نہیں ہے جو صیہونی افواج اور آبادکاروں کے زریعے سے فلسطینی نسل کشی کے مرتکب تل ابیب کے حکمرانوں کی مذمت نہیں کرتا ہو اور انہیں نسل کشی سے باز آنے کے لئے قابض یہودیوں پر دباو نہیں ڈالتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ امریکہ نے اکتوبر ۲۰۲۳ سے فروری ۲۰۲۴ تک تین بار غزہ میں جنگ بندی کی قرارداد ویٹو کردی، غزہ کو ملبے کا ڈھیر اور خاکستر بنا دیا، ۲۴ لاکھ کی آبادی کو فح کی طرف پناہ تلاش کرتے ہوئے گولیوں اور بموں کی زہریلی بارش جاری رکھی ہے ، اقوام متحدہ کے ہیلتھ اور ہیومن رائٹس کارکنوں کو بڑی تعداد میں موت کے گھاٹ اتار دیا، فلسطینی صحافیوں ، رپورٹروں اور فوٹو گرافروں عالمی اور علاقائی ڈاکٹروں اور انسانی حقوق کے نمائندوں کے اجسام کے قاشے بموں سے اڑا دیے گئے ہیں ، کشتوں کے پشتے لگائے گئے ہیں اور غزہ کی رہائشی عمارتوں، سرکاری دفتروں، اسپتالوں، اور مسجدوں کو خاکستر بنا دیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ہر گھر سے قرآن پاک کے لاتعداد نسخے نذر آتش کیے جا چکے ہیں یا سڑکوں اور گلی کوچوں میں اللہ کے کلام مقدس کے اوراق بکھرے پڑے نظر آرہے ہیں۔ صیہونی حکمرانوں اور فوجیوں کی آتش انتقام اس انتہا کو پہنچ چکی ہے کہ الجزائر ٹی وی کی لائیو نشریات کے دوران تل ابیب کے نقارچی، اسلام، پیغمبر اسلام ص ع، قرآن و احادیث اور شعائر اسلام کے خلاف زہر آلود اور ہتک آمیز تبصرے کرتے ہوئے تمام حدوں کو

پھاند رہے ہیں، جبکہ مسلمان تمام انبیا کرام اور کتب سماوی کو اپنا جزو ایمان قرار دیتے ہیں، ان کی عبادت گاہوں اور عقائد کا احترام کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ تاریخی جنگوں کے دوران میں بھی فاتح مسلمانوں اور ان کے حکمرانوں اور سپاہ سالاروں نے غیر مسلموں کے ساتھ فیاضانہ سلوک روا رکھا ہے، جس پر بیت المقدس کی تاریخ کی تصدیق ثبت ہے۔

فلسطین کی موجودہ بربادی اور فلسطینی عربوں کی اس خونچکاں روداد غم کے وقت سب سے پہلے عرب حکومتوں اور دیگر مسلم ریاستوں پر یہ فرض ربانی اور منصبی عائد ہوتا ہے کہ وہ تمام اغراض، مفادات ، توہمات اور وہن کو پس پشت ڈالتے ہوئے اپنے بے بس بھائیوں کو بچانے کے لئے میدان عمل میں متحدہ طور پر کودیں، قرآن اور سنت رسول اللہ کی طرف رجوع کریں، خلافت راشدہ کی مثالیں سامنے رکھیں، خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رض کے نامساعد دور کے نقوش راہ اور ان کی سیرت کو تلاش کریں اور دیکھیں کہ خلفا راشدین اور ان کے بعد اولعزم مشاہرین اسلام نے اس عالم گیر امت کو کیسے جوڑا تھا، تعمیر کیا تھا اور اس کی بقا کا سامان پیدا کیا تھا لیکن ہم ان کی مقدس عمارت اور سیسہ پلائی ہوئی فصیل کو کس طرح توہمات اور ذاتی مفادات کے لئے ڈھا رہے ہیں۔ صیہونی حکمران ایک خاص منصوبے کے تحت فلسطینی بچوں اور نوجوانوں کو میزائلوں، بموں اور بھوک سے مار رہے ہیں، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ نسل نو عربوں اور امت محمدیہ کے مستقبل اور بہار نو کی ضمانت ہے۔ اٹھو ! دنیائے عرب کے امیرو اور شیخو ! عربوں اور دنیائے عرب کے مسلمانوں کے ساتھ یہ عہد وپیمان باندھو کہ ہم فلسطین کے ساتھ کھڑے رہیں گے، فلسطینیوں کے ساتھ مریں اور جئیں گے، تا وقتیکہ کل فلسطین صیہونی تسلط سے خلاصی حاصل

کرلیتا ہے اور ایک آزاد و خود مختار ریاست کی شکل میں عالمی نقشے پر نمودار ہوتا ہے اور اس کو مٹانے کا ارادہ کرنے والے اپنے لائے ہوئے طوفان کی گرد میں خود نیست ونابود ہوجاتے ہیں۔

نوٹ: مقالہ نگار محمد فاروق رحمانی ریاست جموں و کشمیر کے دیرینہ حریت پسند، پیپلز فریڈم لیگ مقبوضہ کشمیر کے چئرمین اور کل جماعتی حریت کانفرنس آزاد جموں و کشمیر کے سابق کنوینر ہیں۔ ای میل رابطہ یہ ہے: mfr.isb@gmail.com